DELHI UNIVERSITY
LIBRARY

0168,7

DELHI UNIVERSITY LIBRARY SYSTEM

Cl No O165, 3NCA,12 N4

Ac No E1574 Date of release of loan

This book should be returned on or before the date last stamped below An overdue charge of 10 nP. will be charged for each day the book is kept overtime.

23 JUN 1995			

D. UNIV. LIBRY. SYSTEM

لفٹنٹ

ایک انتہا سے زیادہ پُر مذاق افسانہ

مُصنّفہ

مرزا عظیم بیگ چغتائی

مُصنف

شریر بیوی۔ فل بوٹ۔ جنت کا بھوت۔ خطوط کی ستم ظریفی وغیرہ

باہتمام

احیب الدین نظامی

مطبوعہ نظامی پریس بدایوں

قیمت ایک روپیہ (عہ)

(جملہ حقوق تصنیف ہذا بحق نظامی پریس بدایوں محفوظ ہیں)

ملنے کا پتہ
نظامی بک ایجنسی بدایوں
یو۔ پی

لفٹنٹ

یہ جب کا ذکر ہے کہ میں بہت چھوٹا سا تھا۔ ہمارے پڑوس میں ایک شیخ جی رہتے تھے۔ اکثر دوپہر کو نیم تلے چارپائی پر بیٹھ وہ حقہ پیتے دو چار آدمیوں سے باتیں کرتے۔ میں بھی کھیلتا ہوا پہنچا۔ وہاں میں نے عمر میں پہلی دفعہ لفٹنٹ کا ذکر سنا۔ ان کا دادا کسی لفٹنٹ کے یہاں نوکر تھا۔ کس مزے سے وہ اوروں سے کہتے تھے اپنی عینک کے اوپر سے دیکھ کر حقہ دوسرے صاحب کی طرف اخلاقاً موڑتے ہوئے "گوروں کا سب میں بھاری افسر ہوتا ہے...... یوں کانپتی ہے پلٹن"! ہاتھ کو ہلا کر کپکپی کا منظر پیش کرتے "بڑی کانپتی ہے گورا

پلٹن !!"

اور اس لفٹنٹ کا حلیہ بھی سن لیجئے۔ "اجی لال بیج !..... وہ گٹھا میر جوتا کہ مارے ٹھوکر تو نوکر کی پنڈلی ٹوٹ جائے بھلا ہماری آپ کی مجال ہے جو اس کی نوکری جھیل جائیں" گٹ پٹ، گٹ پٹ! بولتا ہے صاحب کیا سمجھے کوئی۔ یہ تو انہی لوگوں کا (مرزا اپنے داماد سے) دل گردہ ہے جو اس سے نپٹتے ہیں۔"

اور ایک صاحب نے جو کرنل اور جنرل کو عہدے میں اونچا بتایا تو سر ہلا کر قدرے خفا ہو کر بولے...... بڑے جھک مارتے ہیں کرنیل اور جرنیل سب! ...... سب اس سے نیچے ...... اجی مگھا اگر پلٹن کا بادشاہ ہے بادشاہ ..... کوئی مذاق ہے..."

ظاہر ہے کہ لفٹنٹ کی عظمت کیسی کچھ نہ میرے دل میں بیٹھی ہو گی۔ خیال ہی سے حواس باختہ ہوتے تھے کہ خدا نے ایک لفٹنٹ سے سابقہ ڈالا۔

قبل اس کے کہ میں کچھ اور عرض کروں لفٹنٹوں کے

بارے میں کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں۔ دراصل بیویوں کی طرح لفٹنٹ بھی دو قسم کے ہوتے ہیں "متحارب" اور "غیر متحارب"۔ اور عرصہ تک کم عمری اور ناتجربہ کاری کا سبب یا یوں کہئے کہ اپنے مشاہدے کی کمی کا سبب میں اس مغالطے میں رہا کہ لفٹنٹ صرف "متحارب" ہوتے ہیں اور بیویاں صرف "غیر متحارب" لیکن اوّل الذکر کے بارے میں جنگ عظیم کے بعد اور موخر الذکر کے بارے میں ایک خاص واقعہ کے بعد یہ معلوم ہوا کہ لفٹنٹ اور بیویاں دونوں متحارب اور غیر متحارب ہوتے ہیں۔ لیکن سردست چونکہ مجھے بیویوں کے بارے میں کچھ عرض نہیں کرنا ہے لہذا اپنا قصہ سناتا ہوں۔

والد صاحب مرحوم نئے نئے ملازم ہوئے تھے کہ دوسرے شہر کا تبادلہ ہوا۔ سب کو تو گھر چھوڑا اور صرف مجھ کو لے کر نئی جگہ پہنچے کہ مکان کا ٹھیک ٹھاک ہو جائے تو سب کو بلائیں۔ ڈاک بنگلہ میں قیام ہوا وہاں کئی آدمی ملنے آئے اور بہت باتیں ہوئیں باتیں

مکانوں کی قلعیں معلوم ہوا کہ ایک بنگلہ تو بہت اچھا ہے لیکن اس کے پڑوس کے بنگلے میں ایک پاجی لفٹنٹ رہا کرتا ہے کہ کسی کو بنگلے میں ٹکنے نہیں دیتا۔ جو بھی آتا ہے وہ بنگلہ چھوڑ کر بھاگتا ہے جو صاحب بنگلہ چھوڑ بھاگے تھے انھوں نے والد صاحب کو اس لفٹنٹ کے مظالم کے واقعات سنائے۔ نوکروں کو مارتا ہے غل نہیں مچانے دیتا۔ جانور نہیں پالنے دیتا۔ گولی مار دیتا ہے۔ بنگلہ بڑے سستے کرایہ پر مل جائے گا۔ والد صاحب فوراً بنگلہ لینے کو آمادہ ہوگئے اور انھوں نے خطرے سے زیادہ آگاہ کیا تو وہ بولے۔

جانتے ہیں آپ ان گوروں کو ٹھیک کرنے کی ترکیب؟.......

بس ٹھونک چلے ان کو تو۔ میرے ساتھ ذرا بھی چیں چپڑ کی تو اٹھا کے دے ماروں گا۔

اور انھوں نے والد صاحب کے چوڑے چکلے سینے اور زبردست بازوؤں کی طرف رشک سے دیکھا اور پھر کچھ نہ کہہ سکے اور میں سکتے کے عالم میں کہ الٰہی یہ آبا میاں کو کیا

ہوگیا۔

(۲)

بنگلہ نہایت خوبصورت اور آرام دہ تھا۔ دوسرے ہی دن اس بدمعاش لفٹنٹ کا مالی آیا اور معلوم ہوا کہ اس نے یہ کہا کہ لفٹنٹ صاحب نے یہ حکم دیا ہے کہ اس بنگلے کا بھی تم کام کرکے دس روپے ماہوار تنخواہ لو۔ مالی والد صاحب کے سامنے پیش ہوا مجھے یاد نہیں ٹھیک کیا باتیں ہوئیں۔ مگر شاید کچھ گستاخی کا پہلو نکلتا ہوگا جو والد صاحب نے حکم دیا کہ اس کی مونچھیں اکھاڑ لو مگر لفٹنٹ کے ڈر کے مارے کسی نوکر کی ہمت نہ پڑی تو اس کو ڈانٹ کر نکال دیا۔

ہفتہ بھر کے اندر ہی اندر جھگڑے کی باتیں اس نے شروع کردیں۔ ایک دن دوپہر کو نوکروں کو بلا کر کہا کہ غسل خانہ صاف نہیں تھا والد صاحب جو آئے تو بے حد ملازموں پر برہم ہوئے کہ تم لوگ کدھر گئے تھے کیوں پھر ایک روز کہلا کر بھیجا کہ بنگلہ میں جھاڑو آہستہ دلواؤ دھول آتی

ہے۔ کنوئیں کی گراری پانی بھرنے میں زور سے بولتی تھی۔ اس پر کہلوا کر بھیجا کہ اس کو ٹھیک کراؤ۔ چونکہ ملازم ہی کہنے آتے تھے لہذا ان کو زبانی ہی دندان شکن جواب دیئے گئے۔ ایک دن سنا کہ اُس نے اپنے گھوڑے کو گولی مار دی۔ پھر یہ سنا کہ کسی کا گدھا بنگلے میں آیا تو گولی مار دی۔ شام کو اور صبح کو برابر بندوقیں چلتیں۔ مجال کیا جو کوّے یا طوطے بنگلہ پر سے گذریں اور وہ نہ مارے۔ پرندے زخمی ہو کر بنگلے میں ہی گرتے اور اسی سلسلے میں نوکروں پر اپنے گرجنا ان کو مارنا۔

یہ باتیں جاری ہی تھیں کہ ہماری بکری نے اس کے بنگلے میں ناخن بول دی۔ واللہ اعلم سچ کہ جھوٹ ہمارے نوکروں کا کہنا کہ غلط بات تھی۔ ان کے مالی نے غلط الزام لگایا۔ خود اس کا کتا حوائج ضروریہ کے مسائل طے کرنے ناریں سے ہو کر ہمارے بنگلے میں آتا اور بکری پر دوڑتا تھا۔ کچھ ہو لفٹنٹ نے والد صاحب کو سخت خط لکھا کہ تمھاری بکری ہمارے نتار کے پاس آکر چلاتی

ہے ہم اس کو گولی مار دیں گے۔ والد صاحب نے جواب میں لکھا کہ ہم تمہارے کتے کو گولی مار دیں گے۔ اس نے لکھا کہ کتا جو مر گیا تو میں تم سے "ڈویل" لڑوں گا۔ والد صاحب نے لکھا کہ اگر یہی ارادہ ہے تو بکری اور کتے کی کیوں جان جائے "ڈویل" پیشتر ہی رہے۔ اسی شام کا ذکر ہے کہ نوکر آیا رات کو اور اس نے والد صاحب سے کہلوایا کہ کمرے کی روشنی گل کر دو صاحب باہر سوتا ہے اس کی آنکھوں میں لگتی ہے ورنہ صاحب کہتا ہے ہم گولی مار دے گا۔" دراصل وہ نشے میں وحشت ہو رہا تھا۔ والد صاحب نے نوکر کو ڈانٹ کر بھگا دیا۔ وہ گیا ہی تھا کہ کھڑکی میں جہاں سے روشنی چمک رہی تھی گولی آکر لگی شیشے کے پرخچے اڑ گئے اور اس کا آدمی دوڑا آیا کہ صاحب کہتا ہے ہم تم کو گولی مار دے گا ورنہ روشنی بند کرو۔ والد صاحب کا مارے غصے کے برا حال ہو گیا۔ لپک کے گئے اور اپنا اکسپریس رائفل نکال لائے اور آؤ دیکھا نہ تاؤ سامنے ہی اس کے نشست والے کمرے کا دروازہ تھا جس کے شیشوں میں سے روشنی چمک رہی تھی۔ باندھ کر

سیدھ ماری جو گولی تو گولی دروازہ توڑتی اندر کمرے میں اس کے سنگار کے آئینہ کو پرخچہ اڑاتی دیوار میں پیوست ہوگئی۔ ایک ہلڑ مچ گیا۔ ادھر سے وہ گرجتا ہوا اٹھا اور ادھر سے والد صاحب بھی ویسے ہی لپکے وہ احاطے میں گھس آیا مگر خالی ہاتھ تھا۔ والد صاحب بھی یوں ہی بنیان پہنے لپکے ملازم روشنی لیے ساتھ تھے۔ دونوں میں کچھ بات چیت ہوئی۔ غالباً اس نے والد صاحب کو اچھی طرح دیکھ لیا کہ کس قدر طاقتور شخص ہیں وہ یہ کہتے ہوئے لپکے تھے کہ "وہ اسے گورے کو اٹھا کر دے ماروں گا شامت آئی ہے اس کی۔" دونوں نے ہنس کر مصافحہ کیا وہ اپنی طرف چلا گیا اور والد صاحب ہنستے اپنی طرف چلے آئے۔ والدہ صاحبہ کی حالت مارے خوف کے غیر ہو چکی تھی اور غشی کے قریب تھی جب والد صاحب آئے اور خوب ہنسے۔ اس واقعہ کے بعد تو نوکروں نے الٹی چکی چلا دی۔ ظاہر ہے کہ سیر کو سوا سیر مل گیا تھا اور بیچارا تو عرصہ تک سہم، وہ کچھ بھی نہ بولا بلکہ شب برات کو اس کو حلوا گیا تو خود حلوے کا ٹکڑا ہاتھ میں کھاتا چلا آیا اور اندر سے والد صاحب نے منگا کر

اور کھلایا۔ بی بی کو ستو باں کھلائیں۔ والد صاحب کا جلدی یہاں سے تبادلہ ہو گیا۔

اتفاق کی بات کہ برسوں گزر گئے۔ والد صاحب تبادلے ہو ہو کر جگہ بہ جگہ ہوتے ہوئے نہ معلوم کہاں سے کہاں پہنچے کہ یہی لفٹنٹ پھر ملا۔

ہمارے بنگلہ کے قریب ہی ایک انگریز کا موٹر بگڑ گیا۔ توپ کی سی آواز ہوئی ٹائر یا ٹیوب پھٹ گیا۔ شہر سے دور ہمارا بنگلہ تھا۔ نوکروں نے جو دیکھا تو اس کو پہچان لیا۔ یہ تو وہی لفٹنٹ تھا۔ دن کے دو بجے ہوں گے۔ ولی محمد خانساماں فوراً کرسی سر پر رکھ کر دوڑا اور اس کی خاطر کی اسے فوراً حکم دیا کہ کھانے کو لاؤ اور ولی محمد نے جھٹ سے آلو ابالے اور دو چوزے ذبح کر کے جھلس جھلسا کر تیار کئے چار انڈوں کا پڈنگ تیار کر کے پہنچے ناشتہ وہاں اس نے خوب ڈٹ کر کھایا ولی محمد کو ٹھوکریں بھی ماریں (لیکن بعد میں معلوم ہوا کہ ولی محمد نے محض فخریہ ایسا کہا ایک ہی ٹھوکر نہیں ماری) اور انعام کے دس روپے ان کو دے گیا

اور والد صاحب کو سلام کہتا گیا۔

میں اسکول میں پڑھتا تھا۔ طرح طرح سے اس قصے کو فخریہ گاتا پھرا یہاں تک کہ ماسٹر صاحب کے کان تک اس کی بھنک پہنچی اور انھوں نے بھی اس قصے کو حیرت سے سنا۔ درجنوں دوسرے لڑکوں نے سنا۔ دراصل واقعہ اپنی نوعیت کے لحاظ سے کیا کم تھا کہ شہر کے اس قدر قریب سے ایک لفٹنٹ کا گذر ہو۔ یہ باتیں آپ کو عجیب سی معلوم دیں گی۔ اس لئے کہ اب تو لفٹنٹوں کی بھرمار ہے بہرحال یہ ایک "متحارب" لفٹنٹ تھا۔ اور ان واقعات پر غور کرنے سے آپ کو پتہ چلے گا کہ لفٹنٹی کا کیا صحیح معیار ہے۔ یہ پہلا لفٹنٹ تھا جس سے مجھے سابقہ پڑا۔ سابقہ بھی کیا لیکن میں لفٹنٹی کے بارے میں صحیح معیار قائم کرنے کے قابل ہو گیا تھا کہ مجھے ایک اور لفٹنٹ ملے۔

وقت گذر چکا تھا۔ میں بچہ نہ تھا بلکہ کالج کا طالب علم معلوم ہوا گورنمنٹ نے طے کر دیا کہ اب ہندوستانی بھی لفٹنٹ ہوا کریں گے بلکہ ہو گئے۔ اور ان میں سے پہلا لفٹنٹ میں نے

ایک عرس پر دیکھا۔ یہ اودھ کے ایک رئیس زادہ تھے۔ میں نہ معلوم کیا دیکھنے کو بیتاب تھا کہ چلے آ رہے ہیں ایک نوجوان۔ سر پر دوپلی ٹوپی جامدانی کا انگرکھا چوڑی دار پاجامہ اور اس پر سیاہ پمپ اور چلے آ رہے ہیں سچ مچ ٹھمک ٹھمک!"

یہ لفٹنٹ تھے سچ مچ کے لفٹنٹ تھے۔ جوان خوبرو اور واقعی سجیلے تھے مگر میں جو کچھ بھی لفٹنٹی کا نمونہ دیکھ چکا تھا اس کو دیکھتے ہوئے تو محض چھچھی جان تھے اور پھر تنہا ہی یہ تنہا ہی بڑے خوش اخلاق۔ نرم دل۔ ملنسار تھے۔ قوالی کے بے حد شوقین بھلا یہ بھی کوئی لفٹنٹ ہیں لفٹنٹ ہوئے۔ بجائے اس کے کہ میں لفٹنٹی کے معیار پر رائے زنی کروں۔ قارئین سے صرف اتنا پوچھنا چاہتا ہوں کہ یہ لفٹنٹ اگر کسی بے خطا راہ گیر کے چوتڑوں پر خواہ مخواہ بگڑ کر لات مارے تو اس کا پیٹینٹ کا نازک سا پمپ شو کہاں جائے!

اودھ کے ایک قصبے کے اسٹیشن پر کیا دیکھتا ہوں کہ ویٹنگ روم کے سامنے کرسی پر ایک اس قدر زیادہ موٹے مگر نرم اور ملائم روئی کا

گالا جیسے ایک صاحب بیٹھے کیا رکھے ہوئے ہیں۔ بے حد ڈھیلا پتلون جھاڑ جھلا بیٹی تو مار پر اس زور سے کسی کہ جیسے دھنکی ہوئی روئی کی گٹھری کو زور سے کس دو۔

ریل آئی ڈاک گاڑی! سیکنڈ کلاس پلیٹ فارم سے باہر دور جا کر کھڑا ہوا۔ یہ حضرت دوڑتے یا دوڑنے اور لڑھکنے کے درمیان والی کارروائی کرتے چلے ہیں کہ دھر کے سیٹی دیتا ہے انجن جو اس زائل، جوں توں کر کے پہنچے۔ ڈ یہ پلیٹ فارم سے باہر دونوں ہاتھ اونچے۔ دو طرفہ ہینڈل کی سلاخوں کو پکڑ کر تختے پر پیر رکھ کر اوپر چڑھنے کو زور جو لگایا تو پتلون ویسے ڈھیلی تھی بیٹی معہ پتلون زمین پر! جھک کر پتلون سنبھالتے ہیں اور گاڑی یہ جا وہ جا! لوٹے چلے آرہے ہیں! ہر شخص ان کو دیکھ رہا ہے اور منہ موڑ کر مسکرا رہا ہے۔ قلی کے سر پر ہولڈال پر نظر پڑتی ہے۔ لکھا ہے "لفٹنٹ بنرجی" اور میں کھڑا دیکھتا کا دیکھتا رہ گیا! لفٹنٹ غیر منحارب بھی ہوتے ہیں۔ یہ تو اکثر تھے مگر لفٹنٹ! موٹاپے کے خلاف منفاحی اسکول میں

لیکچر دینے آئے تھے۔ سوچے ہوں گے کہ چلو ایک لکچر مسافروں کو بھی سہی۔

اور یہ لفٹنٹ اگر کسی کے لات مار دے۔ نہیں! اگر لات مارنے کی کوشش کرے تب کیا ہو! کم از کم ہیں کیا۔ آپ خود قریب ہوں تو شاید پرے ہٹ کر خود لفٹنٹ کی لات کی زد میں آجائیں اس لئے کہ محفوظ ترین مقام وہی ہو سکتا ہے ورنہ دوسری صورت میں لات کی زد سے زیادہ خطرہ خود لفٹنٹ کی زد موجود! اس لئے کہ لات مارنے کی صورت میں قطعی لفٹنٹ کا بیلنس آؤٹ ہو جائے گا اور وہ نہ معلوم کدھر اور کس زور سے گرے نرم سہی مگر وزن

آپ سوچیں گے کہ لفٹنٹ ہے تو یہ کیا ضرور کہ لات مارے ہی مارے! اور میں کہتا ہوں کہ حضرت نہ کیوں مارے! آخر کوئی وجہ!

در اصل میں اس مضمون کے ذریعے ان خیالات و رجحانات کی اشاعت چاہتا ہوں جن کا بالواسطہ یا براہ راست لفٹنٹی سے کسی قسم کا

خیالی یا عملی تعلق رہ چکا ہو۔ ممکن ہے کہ میں یہ بھی سوچتا ہوں کہ اگر آپ خود لفٹنٹ بننا چاہتے ہیں تو اس مسئلے پر غور کرنے میں آپ کو کچھ مدد مل سکے۔

جس زمانے کا میں ذکر کرتا ہوں لفٹنی کا شوق پھیل رہا تھا رئیسوں اور ڈاکٹروں میں غیر متحارب لفٹنٹ نظر آنا شروع ہو گئے تھے۔ اور ترقی پسند اور روشن خیال حضرات میں سے اکثر کے پیش نظر یہ سوال تھا کہ نام کے ساتھ عمدہ سا تخلص مع یائے نسبتی زیادہ موزوں رہے گا یا لفظ لفٹنٹ۔

لیکن باوجود اس کے عوام اور جہلا کے لئے لفٹنٹ مع اپنی لات کے اب بھی وہی ایک غیر ملکی چیز تھا۔ نہیں بلکہ بیجا نہ ہوگا اگر میں یہ کہوں کہ اب بھی ہے۔ ممکن ہے کہ آپ کا خیال ہو کہ اب وہ صورت حال نہیں رہی جدھر دیکھو خود ہم لوگوں میں متحارب وغیر متحارب دونوں قسم کے لفٹنٹ نظر آتے ہیں اور اب قطعی وہ صورت حال نہیں ہے۔ ممکن ہے آپ کا خیال صحیح ہو لیکن

میں اپنے خیال کی تائید میں نسبتاً ایک تازہ بتازہ قصہ پیش کروں گا جس کے پڑھنے سے نہ صرف میرے خیال کی تائید ہوگی بلکہ لفٹنٹ نے جو بھی قابل فخر صورت ہماری خطاب یافتہ دنیا میں پیدا کر لی ہے اس کے ایک خاص ہی پہلو پر کافی روشنی پڑے گی۔

لفٹنٹ کا پہلا دن

لفنٹی کا پہلا دن

زیادہ عرصہ نہیں گزرا کہ حسن اتفاق سے ایک ڈاکٹر صاحب کے پڑوس میں رہنا ہوا کوئی پچاس برس کی عمر گٹھا ہوا دوہرا بدن۔ اچھا گورا کھلتا ہوا رنگ شیروانی پر ترکی ٹوپی اور بڑی ٹری سوری کا گھٹنا ہوا پائجامہ "اسٹاتی کوپ" ایک عجیب انداز سے زمین کی طرف دیکھتے چلے۔ کھچڑی داڑھی تھی تو فرنچ کٹ مگر لاپروائی کے سبب بے تمیز کٹ ہونے سے جبر آ روکی جاتی تھی۔ بڑے کامیاب اور ہوشیار ڈاکٹر تھے اور خوب چلتی تھی۔ دن رات فرصت نہ ملتی۔

ایک دم سے جو خدمت خلق کا جذبہ زور پہ آیا تو سیروں سوڈا بائیکارب خریدا۔ کئی کئی حصے کئے۔ کسی حصہ میں نمک ملایا تو کسی میں

پھٹکری اور کسی میں کوئی قدر سے کڑواہٹ اور دواؤں والے رنگ لیکر مختلف رنگ دیکر اور مختلف خوشبو دے دیکر ہزاروں پڑیاں ماشہ ڈیڑھ ماشہ کی بنوالیں اور اسی طرح بوتلوں میں معمولی پانی بھر کر رنگ و خوشبو دے کر کسی کو پھٹکری سے نوازا تو کسی میں نمک کسی کو ذرا کڑوا کر دیا تو کسی کو کھٹا۔ پڑیوں کے نام رکھے۔ پاؤڈر نمبر ۱ و ۲ وغیرہ اور اسی طرح پانی کے نام رکھے۔ مکسچر نمبر ۱ و ۲ وغیرہ اور ایک بڑا بھاری سائن بورڈ لگا دیا کہ غرباء کو دوا مفت ملتی ہے۔ کلکٹر ضلع نے آکر اس غریب ڈسپنسری کا افتتاح کر دیا اور اب ہوا جب ہے مریضوں کا زور تو الاماں سیکڑوں مریضوں کو یہی پڑیاں تقسیم ہوئیں ہزاروں کو فائدہ پہنچا۔ کسی کو ضرورت دیکھی تو بازار سے کوئی پیٹنٹ دوا علاوہ ان پڑیوں کے بھی تجویز کر دی۔ ایک ریل پیل ہو گئی مفت دوا لینے والوں کا رجسٹر دیکھو تو دنگ رہ جاؤ گے اتنے مریضوں کو مفت دوا کیسے دیتے ہیں غرض یہ کارخانہ زوروں میں چل رہا تھا کہ عجیب معاملہ پیش آیا۔

ڈاکٹر صاحب کے ایک ملازم صاحب تھے جن کا نام احمد تھا۔

یہ پہلوان بھی تھے نہ معلوم کس کے بہکانے سے ایک مقامی دنگل میں شرکت کی جس میں پچھڑ گئے کچھ اکھڑ مزاج ویسے تھے اور پہلوانی کے سبب یوں بھی دوست احباب کے تختۂ مشق رہتے تھے کہ پچھڑنے سے اور بھی لوگ چھیڑنے لگے۔

صبح کا وقت تھا ڈاکٹر صاحب مریض دیکھنے گئے تھے اور احمد پہلوان دھوپ میں بیٹھے حقہ پی رہے تھے کہ سائیکل پہ تار والا آیا۔ ان کو دیکھتے ہی مسکرایا۔ اور سلام نہ دعا ہنس کر کہتا ہے "کہو پہلوان کیا حال چال ہیں۔ مٹھائی کھلواؤ۔"

اور پہلوان کو ہر مذاق کرنے والے اور ہر مذاقیہ بات پر شبہ کہ یہ مذاق اشارۃً پچھڑنے سے متعلق ہوگا لہٰذا بُرا مانتے۔

پاس ہی چمن لڑکا ملازم کھڑا تھا اس سے اندر اطلاع کرائی کہ تار آیا ہے اور تار والے کو سنجیدگی سے مطلع کیا کہ مذاق ناپسند ہے۔ ڈاکٹر صاحب شہر گئے تار دے دو۔ اس نے تار دینے سے انکار کیا۔ انھوں نے پھر جو تار کو پوچھا تو ہنس کر

تار والا بولا کہ "تمہارے ڈاکٹر صاحب لفٹنٹ ہو گئے ..... مٹھائی کھلاؤ ......"

بدقسمتی دیکھئے کہ جس دن کل میں یہ جھگڑے اس میں کوئی لفٹنٹ بھی آیا تھا۔ یہ بگڑ گئے کہ اتنے میں اندر ایک قیامت سی بپا ہو گئی بیگم صاحبہ کو جو تار کی اطلاع ملی تو وہ مارے خوشی کے چیخ پڑیں اس لئے کہ ان کے چھجو بھیا کے لڑکا ہونے کو تھا جس کی اطلاع کا بذریعہ تار انتظار تھا۔ لڑکے نے جو کہا کہ تار والا مٹھائی مانگتا ہے تو یہ سمجھیں کہ آ گئی خبر اور حلق پھاڑ کے چیخیں۔ "اے خلو آپا ...."

خلو آپا اُس سرے پر باورچی خانے میں بیٹھی آلو چھیل رہی تھیں۔ اور یہ دوڑیں اور پھر حلق پھاڑ کر "لے خلو آپا.... چھجو بھیا کے لڑکا ہوا ہے ......"

"اے میری قسم ......" خوش ہو کر خلو آپا ڈوپٹہ جھوڑ جھاڑ کھڑی ہو اٹھیں۔

"اے اللہ کی قسم ..... تار ہی جو آ گیا ..... ارے او جمّن ..... جمّن کے بچے ....."

"اے بہن مبارک ..... ارے او جمّن .... ارے مری ٹپ جائے تجھ پہ ....."

اور دونوں دروازے کی طرف دوڑیں۔

میں نہ کہتی تھی کہ شرط باندھ لو ..... لڑکا ہی ہوگا ....."

"اور لڑکا نہیں ہوتا تو تار کیوں دیتے ..... اے وہ مٹھائی مانگ رہا ہے ....."

"کون ؟"

"اے وہی تار والا ....." اتنے میں بوا رحیماً دوڑی آئیں اور چلائیں

اے لو مبارک ..... مبارک بھائی کا گھر پھلے پھولے ....."

"اے بوا تار تو لاؤ ..... وہ تو مر کے رہ گیا جمّن کا بچہ ....."

دروازے کے تو پاس ہی تھیں۔ بُوا رحیمن لپک کے باہر گئیں کہ احمد کی آواز آئی "تیری بد معاش کی ایسی تیسی۔۔۔ ہڈی پسلی ایک کر دونگا ٹھہر تو جا میں تجھ ہی کو لفٹنٹ بنائے دیتا ہوں۔"

اور رحمن آیا کہ وہ تار نہیں دیتا۔ جمن کو پھر دوڑایا کہ تار والے کو روکے مگر تو یہ کیجئے، پہلوان صاحب جو لپکے ہیں تو وہ سائیکل پر قہقہہ لگاتا ہوا ہو گیا۔

احمد پہلوان بڑبڑاتے بُرا بھلا کہتے آئے۔ یہ سمجھیں کہ تار نہ دیا اس لئے احمد خفا ہیں۔ اور احمد نے بھی یہی بتایا کہ مٹھائی مانگتا تھا اب یہ اُن کی غلطی ہو گئی کہ یہ نہ سوچے کہ پھوپھیا کے لڑکا ہوا ہے خوش ہو کر احمد بھیا بولے "مجھے کیا خبر تھی۔۔۔ رحیما بُوا میری طرف سے بھی بیگم صاحبہ کو مُبارک باد دے دو۔۔۔۔۔۔۔ وہ تو مذاق کرنے لگا تو مجھے غصہ آ گیا۔ مجھے کیا خبر تھی میں تو روک لیتا اور خود انعام دلاتا۔۔۔۔ خیر مبارک ہو۔"

اور مارے خوشی کے ڈاکٹرنی دیوانی ہو گئیں تو چل میں چل

عرصے سے پروگرام زیر تجویز تھے۔ روانگی کا انتظام درپیش ہو گیا اور خلو آپا خوش ہو کر کہتیں۔

"میں نہ کہتی تھی کہ بہن لڑکا ہو گا ۔۔۔۔"

اور وہی ہوا ۔۔۔۔ وہ تو ڈاکٹر صاحب ہی کو نار دے گا ۔۔۔۔

"اے تمھارے منہ میں گھی شکر ۔۔۔۔ وہ تو ڈاکٹر صاحب ہی کو تار دیگا۔"

"اے انعام بھی تو لینا ہے اُسے" خلو آپا بولیں۔

"انعام مردہ مجھ سے لیتا ۔۔۔۔ مگر ہاں اسے کیا معلوم میں تو خوش کر دیتی اُسے۔"

غرض اندر غدر مچ رہا تھا۔ ڈاکٹرنی کے اکلوتے بھائی کی پہلی بیوی منہ بچوں کے ختم ہو چکی تھیں کہ دوسری شادی اور لڑکے کی نوبت آئی۔ یہ طے تھا کہ لڑکا ہو گا اور ڈاکٹرنی مارے خوشی کے دیوانی ہو رہی تھیں۔ خلو آپا کی بیوہ سہیلی تھیں جو مدت سے ساتھ رہتی تھیں اور اب طرح طرح کی تجویزیں ہو رہی تھیں کہ فوراً روانگی کی تیاری کر دی جائے۔

باہر زیادہ دیر نہ گذری تھی کہ ڈپٹی صاحب کا نوکر چھدا آیا۔یہ ڈاکٹر صاحب کے بڑے گہرے دوست تھے اور نوکروں کا بھی دن رات کا آنا جانا تھا۔ چھدا نے بھی آتے ہی ہنس کر پہلوان سے علیک سلیک کی۔

ڈاکٹر صاحب کو پوچھا اور ایک ہی سانس میں ہنس کر کہا۔ "کہو بھائی پہلوان اب تو ٹھاٹ ہیں اب بھلا کیوں بولو گے۔"

پہلوان نے بتایا کہ ڈاکٹر صاحب نہیں ہیں۔ لیکن یہ معلوم کرکے پہلوان کا غصہ تیز ہو گیا کہ اس وجہ سے نہ بولو گے کہ تمھارے ڈاکٹر صاحب لفٹنٹ ہو گئے۔

لفٹنٹ کو گالی دے کر پہلوان نے کہا۔ "لفٹنٹ کی ایسی تیسی یاد رکھنا بچہ ہڈی پسلی توڑ دوں گا۔"

چھدا نے دب کر کہا۔ "بھائی خفا کیوں ہوتے ہو ہمیں تو ڈپٹی صاحب نے بھیجا......"

"کاہے کے لئے؟"

"کہ ڈاکٹر صاحب کو ہماری طرف سے مبارک باد دے آؤ....."

"کیسی..... کیسی کیسی مبارک باد..... کوئی شادی ہوئی ہے کہ کوئی لڑکا ہوا ہے؟"

"وہ لفٹنٹ ہو گئے....."

"پھر اٹھوں" پہلوان نے رضائی علحلدہ کرتے کہا۔ ابھی وہ تار والا آیا..... یہ تم لوگوں نے مجھے چھیڑنے کی صلاح کی..... ہڈی پسلی ایک کردوں گا .... کسی بھول میں نہ رہنا....... آیا وہاں سے لفٹنٹ کا بچہ ......"

چھتارا گھبرا کر بولا۔ یار تم خوامخواہ خفا ہوتے ہو اچھا اندر کہلا دو......"

"کیا کہلا دوں"

کہ ڈپٹی صاحب نے مبارک باد دی ہے کہ ڈاکٹر صاحب لفٹنٹ ہو گئے......"

تیری ایسی تیسی... ٹھہر تو جا...." یہ کہہ کر جو پہلوان جھپٹا

بہے تو نکل گیا وہ ایک جوتا اتار کر پھینک کر مارا اور سیکڑوں گالیاں۔ مگر وہ بھاگ گیا۔ یہ پیچھے ہیں چلے بھُنے آکر پھر اپنی جگہ بیٹھ گئے ۔۔۔۔۔

لیکن بہت زیادہ دیر نہ گزری تھی کہ کیا دیکھتے ہیں کہ کوتوال صاحب کا نوکر فتو چلا آرہا ہے۔ یہ اُن کا پُرانا اور بڑا چھیڑنے والا تھا سب سے زیادہ ناقابل معافی جرم اُس نے یہ کیا تھا کہ پہلوان کو اُستاد نہیں بنایا مٹھائی نہ کھلائی اور کسرت کرنے لگا لنگوٹ چُرا لے گیا اور پچھڑنے کے بعد توبے حد تنگ کرتا تھا۔ اس سے پہلوان ویسے بھی بہت جلتے تھے۔

"کہو بھئی پہلوان" اُس نے آتے ہی کہا۔ اس کو کیا معلوم کہ ابھی ابھی پارہ ایک سو دس تک پہنچ چکا ہے۔ پہلوان کچھ نہ بولے ڈاکٹر صاحب کو پوچھا تو انتہائی کج خلقی سے کہہ دیا کہ مریض دیکھنے گئے ہیں "کیسے آئے" اتنا ضرور پہلوان نے پوچھ لیا

بھئی مبارکبادی دینے آئے ہیں اس نے کہا اور پہلوان نے دیکھا کہ ایسے چھپٹوں کہ نکل نہ جائے۔ لہذا بن کر پوچھا "کیسی مبارکبادی"

"تمھارے ڈاکٹر صاحب لفٹنٹ ہو گئے۔"

"اچھا!" پہلوان نے غصے کو چھپاتے اور رضائی کو علیحدہ رکھتے ہوئے حقہ علیحدہ سرکایا اور کہا "لفٹنٹ ہو گئے ہیں؟ اور تمھارے کوتوال صاحب نہیں ہوئے۔"

قبل اس کے کہ وہ ہوشیار رہو پہلوان نے جھپٹ کر اس کو لیا۔ "ڈاکٹر صاحب تو بعد میں ہوں گے پہلے تجھے لفٹنٹ بنا دوں.......۔"

وہ "ارے ارے" کہتا رہا اور پہلوان نے اسے اٹھا کر دے مارا۔ "یہ لے۔ یہ لے......۔"

دے گھونسا۔ دے گھونسا۔ اور وہ دہائی دیتا ہے وہ چھڑا کر نکلا ہے کہ پہلوان نے پھر اٹھا کر پٹخنی دی اور خوب پیٹ کر کہا "جاؤ بھیا ہو گئے لفٹنٹ...... صلاح کر رکھی ہے...... صبح سے حیران کر رکھا ہے۔"

اس کو بولنے نہ دیا اور پھر جو غصہ آیا تو اس نے بھی کچھ کہا اور

بہ مار نے دوڑے وہ گالیاں دیتا اور کوتوال صاحب سے شکایت کرنے کہتا چلا گیا۔

کوتوال صاحب کے نوکر کو گئے دیر ہو چکی تھی اور پہلوان کا غصہ وغیرہ ٹھنڈا ہو چکا تھا کہ خود ڈاکٹر صاحب آ گئے مکان کے برامدے کی سیڑھیاں چڑھتے ہوئے انھوں نے احمد کو پکارا اور آقا اور ملازم میں کچھ اس قسم کی باتیں ہوئیں:۔

ڈاکٹر۔ احمد۔

احمد۔ جی حضور (دوڑتا آتا ہے) تار مل گیا حضور......

ڈاکٹر۔ (کرسی پر بیٹھے ہوئے) تار تو مل گیا مگر تم یہ بتاؤ کہ تم نے کوتوال صاحب اور ڈپٹی صاحب کے نوکروں کو کیوں مارا تمھارے اوپر اب مقدمہ چلے گا۔

احمد۔ (گھبرا کر) مقدمہ۔

ڈاکٹر۔ ہاں سزا ہوگی۔

احمد۔ اور میری کچھ سنوائی نہ ہوگی۔ میرے ساتھ بھی انصاف ہونا چاہیئے۔

ڈاکٹر۔ (بگڑ کر) تم نے کیوں مارا

احمد۔ سرکار..... میری سنیں تو کہوں...... ناسور ڈال دیئے ہیں ان دونوں نے .... یہ کوتوال صاحب کا نوکر فتو اور رڈپٹی صاحب کا نوکر چھدا....."

ڈاکٹر۔ کیا ہوا۔

احمد۔ ہوا یہ کہ سرکار یہ ہمیشہ سے مجھے چھیڑتے ہیں۔

ڈاکٹر۔ چھیڑتے ہیں۔

احمد۔ جی سرکار۔

ڈاکٹر۔ (بگڑ کر) کیا چھیڑتے ہیں۔

احمد۔ مجھے پہلوان پہلوان کہہ کر چھیڑتے ہیں اور.....

ڈاکٹر۔ تم ہو جو پہلوان۔

احمد۔ تو سرکار اس لئے ہیں کہ ہمارا مذاق اُڑائیں چھیڑیں ہنسیں۔ اور ہمارا لنگوٹ چُرالیں ...."

ڈاکٹر۔ بس یہی بات ہے۔ اسی لئے مارا۔

احمد۔ نہیں سرکار آپ سُنئے تو........... مجھے چھیڑتے ہیں اور حضور آپ کے ہم نمک خوار ہیں آپ کو بُرا بھلا کہتے ہیں۔

ڈاکٹر۔ ہمیں کہتے ہیں ہمیں۔

احمد۔ جی سرکار۔ کمپونڈر صاحب کھانا کھانے گئے ہیں وہ آئیں تو پوچھ لیا جائے۔

ڈاکٹر۔ کیا کہتے ہیں۔

احمد۔ ابھی پرسوں کی بات ہے یہ فتو حضور کو بُرا بھلا کہنے لگا۔

ڈاکٹر۔ (بگڑ کر) کیا کہنے لگا۔

احمد۔ یہ کہنے لگا کہ ہمارے کوتوال صاحب تمہارے ڈاکٹر صاحب کو منٹوں میں ہتھکڑیاں پہنا سکتے ہیں پھر سرکار میں نے بھی کہدیا۔

ڈاکٹر۔ کیا کہہ دیا۔

احمد۔ میں نے کہہ دیا کہ کوتوال صاحب تمھارے کوئی چیز نہیں۔ ہمارے ڈاکٹر صاحب چاہیں تو کوتوال صاحب اور ساری کوتوالی کو ایک خوراک میں انٹاچٹ کر دیں۔

ڈاکٹر۔ چُپ بدتمیز۔۔۔۔ بڑے بیہودہ ہو تم۔

احمد۔ حضور میں جو جھُوٹ کہتا ہوں تو جو چور کا۔۔۔۔

ڈاکٹر۔ چُپ ہو۔ آج کیا ہوا۔۔۔۔۔ تم نے مارا کیسے۔۔۔۔۔؟

احمد۔ آج سنیئے سرکار۔۔۔۔۔ ان دونوں نے فتّو اور حمیدا نے مجھے چھیڑنے کی صلاح کر لی ہے اور آج سرکار انھوں نے ڈاکیہ کو بھی ملا لیا ہے۔ اُسنے تار والے کو۔

ڈاکٹر۔ تار والا۔

احمد۔ ہاں سرکار یہ تار والا۔ بڑا بدمعاش ہے سرکار میں تو اس کا سر پھاڑ دیتا نکل گیا۔ سرکار ہم تو کھری کھوٹی سُن لیں مگر آپ کو۔۔۔۔۔

ڈاکٹر۔ تم بکواس کئے جاتے ہو یہ بتاؤ تم نے فتو اور چھدا کو کیوں مارا...... زمانے بھر کی کہانی ہم نہیں سنتے.....''

احمد۔ فتو آیا تو پہلے اس نے مجھے چھیڑا مگر لگا آپ کو کہنے تو میں نے مارا۔

ڈاکٹر۔ کیا کہا۔

احمد۔ سرکار آپ کی ہنسی اُڑانے لگا......

ڈاکٹر۔ (چلا کر) کیا ہنسی اڑانے لگا۔

احمد۔ آپ کو لفٹنٹ کہنے لگا...... سرکار ہنسی مذاق برابر والوں میں ہوتا ہے......

ڈاکٹر۔ تو کیا ہوا لفٹنٹ ہی تو کہا۔

احمد۔ کچھ ہوا ہی نہیں۔ صاحب اتنی بڑی بات کہہ کر ہنسی اُڑاتا ہے..... آپ کی ہنسی اُڑائے اور.....

ڈاکٹر۔ لفٹنٹ کہنے میں ہنسی کیا اُڑائی۔

احمد۔ ایلو سرکار...... آپ کو لفٹنٹ بنا دیا.
ڈاکٹر. تو پھر لفٹنٹ کیا برا ہوتا ہے.
احمد۔ (حیرت سے) سرکار کسی بھلے آدمی کو لفٹنٹ کہا۔ یا کچھ ہوا ہی نہیں۔ سور اور کتّے کا گوشت کھاتے ہیں لفٹنٹ۔
ڈاکٹر. اچھا اب مت بیہودہ بکواس کر۔ تم نے اس کو بے خطا مارا ہے اور سزا ملے گی........
احمد۔ میں نے سرکار بے خطا نہیں مارا۔ اُس نے آپ کو لفٹنٹ کہا تھا۔
ڈاکٹر. بے تمیز...... کبھی جانتا ہے لفٹنٹ کیا ہوتا ہے۔
احمد۔ جانتے کیوں نہیں ہیں
ڈاکٹر. کون ہوتا ہے۔
احمد۔ گورا پلٹن کا افسر ہوتا ہے.
ڈاکٹر. سنو بے وقوف۔ ہم لفٹنٹ سچ مچ ہو گئے
احمد۔ ہیں!!

ڈاکٹر۔ ہیں کیا ؟

احمد۔ آپ ؟

ڈاکٹر۔ ہاں ہم

احمد۔ لفٹنٹ

ڈاکٹر۔ ہاں ہم ہم۔ لفٹنٹ ہو گئے ہیں

احمد۔ تو سرکار پھر اب

ڈاکٹر۔ اب کیا۔

احمد۔ چھاؤنی میں چل کر رہنا ہو گا اور سرکار گوروں سے تو میری ایک منٹ نہیں بنے گی۔

ڈاکٹر۔ چھاؤنی میں کیوں رہنا ہو گا یہیں رہیں گے۔

احمد۔ اور قواعد پریڈ۔ سرکار قواعد پریڈ آپ سے کیسے نکلے گی........ اور پھر.........

ڈاکٹر۔ قواعد پریڈ کچھ نہیں کرنا ہو گی۔ ہمیں قواعد پریڈ سے مطلب نہیں ہو گا۔

احمد۔ سرکار یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ گورا سلامی نہیں آتا ہے گا آپ کی۔

ڈاکٹر۔ سلامی کیوں نہیں دے گا۔ مگر قواعد پریڈ سے مطلب نہیں۔

احمد۔ سرکار یہ کیسے ہو سکتا ہے

ڈاکٹر۔ ارے بے وقوف ہم آنریری لفٹنٹ ہیں۔

احمد۔ اچھا تو سرکار یوں کہئے۔ جیسے اپنے چھٹن لال جی۔ یہ خوب رہا۔ بڑا حیران کر رکھا تھا کہ وہ لوں نے بھی سرکار یہ دنیا فضلو۔ ایکوں۔ ایک یہ جرمانہ کیجئے گا۔

ڈاکٹر۔ کیا بکتا ہے۔ بے وقوف .... چھٹن لال جی تو آنریری مجسٹریٹ ہیں۔ ہم لفٹنٹ ہیں۔ خیر تم کو اس سے بحث نہیں۔ آج سے کوئی پوچھے تو لفٹنٹ صاحب کہا کرنا۔

احمد۔ اور ڈاکٹر صاحب نہیں ....

ڈاکٹر۔ (کچھ سوچ کر) ہوں! ڈاکٹر صاحب ..... ہاں ڈاکٹر صاحب

بھی مگر نہیں کوئی تم سے ہمیں پوچھے تو یہی کہو کہ لفٹنٹ صاحب باہر گئے ہیں۔ ہاں مگر تم نے جو کوتوال صاحب کے نوکر کو مارا ہے تو اس سے جا کر معافی مانگو اور راضی کر و ورنہ مقدمہ چل جائے گا۔

احمد۔ اب سرکار ہمیں تھوڑی معلوم تھا۔ ہم تو یہی سمجھے کہ چھیڑ رہے ہیں پھر ان کو بھی تو منع کر دیجئے کہ چھیڑا نہ کریں۔

ڈاکٹر۔ تم ابھی جا کر راضی کر و نہیں تو مقدمہ چل جائے گا۔

احمد۔ جیسی مرضی سرکار کی۔

ڈاکٹر صاحب احمد کو سمجھا بجھا کر گھر میں داخل ہوئے یہاں رنگ ہی اور تھا۔ بیوی اندر کمرے میں جانے کے لئے کپڑے وغیرہ درست کر رہی تھیں اور خلو آپا باورچی خانے میں مشغول تھیں۔ ڈاکٹر صاحب بیساختہ برآمدے سے ہو کر کمرے میں پہنچے اور ماری خوشی کے بیوی سے کہا۔

"لو بھئی مٹھائی کھلواؤ۔" تار ہاتھ میں لئے ہوئے

بیوی جو بے حد مشغول تھیں چونک پڑیں۔ ڈاکٹر صاحب کے ہاتھ میں تو تار۔ چہرے پر لفٹنی کی مسکراہٹ "مٹھائی کھلواؤ" کہنا تھا کہ بیگم پر گویا بجلی گری اور ماری خوشی کے ان کی سانس نہ سمائی اور ایک دم سے خوشی کے ایک بے پناہ عالم میں منہ سے نکلا۔

"ہی ...... ہیں ...... چ چھ ...... چ چ ...... چ چھ ...... چ ...... چ ...... چ ...... چ ...... چ چھ ...... لڑ لڑ ...... اے خلو آیا ...... خلو آ یا ری ......"

اور دیوانہ وار کمرے سے نکل کر برآمدے میں اور ادھر ڈاکٹر صاحب نے برہم ہو کر کہا۔

"چ چھ چ چ لگا رکھی ہے ......"

"اے خلو آیا تار آگیا" اور یہ کہہ کر پھر ڈاکٹر صاحب کی طرف لوٹیں۔ "اے تمھیں ہماری قسم ...... کب ہوا لڑکا ...... تم تار تو پڑھو ......"

"ہیں! ہیں! یہ تم کو ہوا کیا ہے۔ خیر تو ہے۔ کیا بکتی ہو"

"مجھو بھیا کے لڑکا ہوا ہے......"

"کیسا لڑکا......کیا بکتی ہو۔

"اوں.....ن. تم مذاق کرتے ہو۔ یہ تار جو ہے"

اور اتنے میں خلو آپا بھی تیزی سے پہنچیں۔ کہتی ہوئی "اے میں نہ کہتی تھی...... اے میں نہ کہتی تھی...... لڑکا ہوئے پہ لڑکا......"

کیسا لڑکا......کیا کہہ رہی ہو.......... یہ تار تو اور ہے......"

"دیکھو خلو آپا...... دق کر رہے ہیں مذاق کر رہے ہیں۔ ابھی ابھی مٹھائی مانگ رہے تھے"

خلو آپا بولیں۔ ایلو مٹھائی کیوں نہ لیں گے۔ "خدا سے تو کمر ٹیکا اور رصافہ معہ جوڑے کے بہنوئی کا حق ہوتا ہے۔ میں چپا دوں گی ...... تم مجھ سے پوچھا"

"یہ کیا واہیات ہے۔ کیسا لڑکا...... کیا بکتی ہو؟"

اور چلو غلط فہمی دور ہوئی۔ قطعی چچا بھیا کا تار نہیں ہے۔ یہ تو دراصل ہی تار ہے شملہ سے آیا ہے کہ میں لفٹنٹ ہو گیا ہوں۔"

"ہیں!" آنکھیں دونوں کی پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ "لفٹنٹ!..."

خلو آپا نے کہا۔

"لفٹنٹ!......کون ہو گیا؟"

"میں ہو گیا۔"

"لفٹنٹ......" بیگم صاحبہ نے کہا۔ "اس سے کیا مطلب؟

جنے کیا کہہ رہے ہو؟"

"کہہ یہ رہا ہوں کہ گورنمنٹ کی طرف سے میں لفٹنٹ ہو گیا

ہوں۔ آخر اس میں شک کیوں ہے۔"

دونوں چپ ایک دوسرے کو دیکھتی ہیں۔

"آخر چپ کیوں ہو۔ کیا بات کیا ہے۔ یہ واقعہ ہے کہ میں لفٹنٹ

ہو گیا ہوں۔"

"اے لو بی خیر! تم نہیں کب تھے؟ ہم نے سدا لفٹنٹ ہی

دیکھا نہیں۔"

کیا .... کیا مطلب"

مطلب یہ کہ تم جو سنا رہے ہو لفٹنٹ لفٹنٹ تو بھیا بتاؤ کہ لفٹنٹ تم تھے کب نہیں اب تو سمجھے؟"

"میں تو نہیں تھا۔"

نہیں ہوئے .... بھیا معاف کرنا۔ اتنا میں بھی کہوں گی کہ یہ تو جب کہتے تم اچھے بھی لگتے جو کبھی ہماری بہن نے تم سے چوں بھی کی ہو ...... کسی کام میں "نا" کی ہو ...... اے بھیا کبھی لوٹ کے بات کہی ہو ...... اے بھیا کبھی لڑی ہو کہ زبان کی ہو کہ خدمت میں کسر ......"

"ارے! ارے! تو میں کب کہتا ہوں ......"

"تو پھر اس غریب دکھیا پہ تو لفٹنی بگھارتے کچھ اچھے نہیں لگتے ......"

لاحول ولاقوۃ ...... کیا آفت میں جان ہے ارے صاحب

سرکاری عہدہ ہوتا ہے اور یہ عہدہ مجھے سرکار سے ملا ہے۔ یہ تار اسی کا تو ہے۔"

اور وہ ہمارے چھجو بچارے کا جھوٹ ہی نکلا۔ لڑکا وڑکا کچھ نہیں......"

کیسا لڑکا۔ کس نے کہہ دیا...... یہ تار دیکھ لو۔ نہ مانو پڑھوا لو کسی اور سے۔"

اُس تار میں کیا لکھا ہے؟"

"یہ لکھا ہے کہ تم لفٹنٹ ہو گئے۔"

پھر وہی مُرغے کی ایک ٹانگ......"

"ارے! خلو آپا یہ بھٹیں کیا ہوا ہے......"

"اے چل خلو بنا۔ ری تجھے کیا؟ وہ مثل نہیں سنی ہے کلام نہ دھام دہی میں موسل...... وہ ٹھہرے میاں اور وہ ان کی بیوی۔ لفٹنٹ چھوڑ کچھ اور بنیں۔ تو بنا۔ ری کون؟ اور تجھ مردی کو کیا...... تو چل اپنی ہنڈیا دیکھ...... بنا۔ ری تو یہ چلی، بھیا یہ تمھاری بیوی ہیں بگھارو

خوب لفٹنی ..... ارے ہاں نہیں تو.....“

ارے! ارے! سنو تو..... ارے سنو تو خلو آیا......

تمہیں ہماری قسم......“

”کیا خانخایں (خوانخواہ) کی باتیں کرتے ہو؟“

”ارے پھر وہی۔ آخر یقین کیوں نہیں کرتیں؟“

”کیا یقین کر دوں؟“

”کہ میں لفٹنٹ ہو گیا؟“

”دیکھو بھیا۔ تم جو سمجھتے ہو کہ نری جاہل گنوار ہوں تو بیشک ہوں........ پر لفٹنٹی کپتانی کو میں بھی جانتی ہوں۔ دنیا میں نے بھی دیکھی“

”کیا جانتی ہو؟“

”سب جانتی ہوں“

”لفٹنٹ کیا ہوتا ہے۔ جانتی ہو؟“

”ہاں جانتی ہوں۔“

"جانتی ہوں.... کہہ دیا لے کے. خاک..... اچھا بتاؤ تم کیا جانو بھلا"

میں کیا جانوں..... ایلّو...... میں نہیں جانوں گی لفٹنی کے بارے میں تو کون جانے گا........ لگا رکھی ہے لفٹنٹ لفٹنٹ........ یہ موچھ داڑی تو منڈوا سو پہلے"

"موچھیں داڑھی؟"

"یہ موچھیں داڑھی لفٹنٹ کے کب ہوتی ہیں........ منڈواؤنا"

"کیوں منڈواؤں"

اور لفٹنٹ بن جاؤ گے"

"اس سے کیا ہوتا ہے"

"ایلّو. لفٹنٹ کو موچھ داڑھی کا حکم کب ہے (تین خون اس کو معاف ہوتے ہیں اور گوروں کا گڈّہ کپتان ہوتا ہے.... میں سب جانتی ہوں)"

"کیا بکتی ہو تین خون معاف ۔ بالکل غلط ۔ جانے کس نے تم سے اڑا دی ہے ۔"

"خون بھی کسی کو معاف ہو سکتے ہیں ۔ ناممکن ۔"

" ایلو ۔ لفٹنٹ بننے چلے ہیں ابھی اِتنا بھی نہیں جانتے ۔"

"معاف ہوتے ہیں ابھی کل کی سی بات ہے دنیا کا سسرا ......"

"اے وہی دینا (ڈاکٹرنی سے)

ڈاکٹرنی ۔ اے وہ کلو کا داماد نا ۔"

"اے ہاں وہی کلو نگوڑا ۔ لفٹنٹ کے یہاں قلیوں میں نوکام کرتا ہی تھا جو مارڈالا ۔ لفٹنٹ نے ۔"

"کیسے مارڈالا ۔"

(ماری جو لات کلیجہ پھٹ گیا ۔ مر گیا نگوڑا پھڑک کے پھر راج کتوالی سب ہی توکی پر وہاں تو یہ کہہ دیا گیا کہ لفٹنٹ کو تین خون معاف ہیں ....)"

کچھ بھی نہ ہوا لفٹنٹ کا۔
اس کی تلی پھٹ گئی ہوگی۔ تو اس میں خون کی سترا کھوڑی ملتی ہے۔"

"تو پھر کیا ہے۔ تم بھی لفٹنٹ ہو گئے۔۔۔۔۔ پھاڑ دینا کسی کی تلی کلیجی تم بھی۔ بابا تمھیں بھی کوئی کچھ نہیں کہے گا۔ اور تمھاری کیا ہے تمھیں چودہ خون معاف ہیں یوں ہی رات دن سوئیاں گھونپ گھونپ کے مارتے ہو۔۔۔۔ اے ڈاکٹر ہونا۔۔۔۔۔۔ اب لفٹنٹ ہو گئے۔۔۔۔۔۔ بھیا مبارک ہو۔"

بڑے افسوس کی بات ہے کہ یہ خوشی کا مقام تھا کہ میں لفٹنٹ ہوا اور گھر میں یہ سلوک ہو رہا۔ ابھی کوئی اور ہوتا تو گھر میں سب خوش ہوتے۔۔۔۔۔۔۔

"سنو بھیا خوشی اس کو ہوتی ہے جس کے جی کو چین ہوتا ہے کلیجہ ٹھنڈا ہوتا ہے۔ سکھ ہوتا ہے۔ اس گھر سے تو خوشی اُڑ گئی۔"
"زبردستی"

زبردستی کیا۔ دیکھ تو ہماری بہن کو آج پندرہ سال ہوگئے شادی کو گود خالی جس گھر میں اولاد نہیں خوشی کیسی؟"

"لاحول ولاقوۃ۔ کیسی واہیات باتیں کر رہی ہیں؟"

"اچھا پھر کیا مطلب ہے ...... خلّو بندی کیا کرے ...... ناچے؟ کہ بھیرکے ..... ؟ کہ کودے! آخر کیا کرے؟ جو کہو وہ یہ بندی کرنے کو تیار ہے۔ اور کرو ناخوشیاں کسی نے منع کیا ہے۔ وہ مثل بھی ہے۔ بول بندہ کس کا؟ ...... کہ تیرا ...... تو ہم خوش ہمارا خدا خوش۔"

جھک ماراہیں نے جو گھر میں آکر کہا۔ خیر۔"

اتنے میں احمد دروازے پر پکارتا ہے کہ ڈاک لے جاؤ جمّن دوڑا گیا اور کچھ خط لایا۔ خلّو آپا چلی گئیں۔ ڈاکٹر صاحب نے ڈاک لی کئی رسالے۔ کئی دواؤں کے اشتہار تھے۔ ایک خط بھی تھا۔

ڈاکٹرنی بولیں۔ "اے کوئی خط بھی ہے"

"ہے تو ...... یہ خط"

"ڈاکٹر صاحب نے پڑھا اور زور اچھک کر بولے۔ "لو مبارک ہو لڑکا لڑکا چیخ رہی تھیں۔ چھجو بھیا کے یہاں چودہ تاریخ کو دو لڑکیاں ہوئی ہیں۔"
"جڑواں؟"
"ہاں.... ماں اور بچیاں دونوں خیریت سے ہیں......
ڈاکٹرنی کچھ مردہ آواز سے" لڑکیاں......دو........
اے خلو آپا۔" ڈاکٹر بھی زور سے پکارے " اے خلو آپا
...... خلو آپا........
"جھاڑو پھر جائے خلو آپا کی صورت پہ .... کیا ہے؟" باورچی خانہ سے خلو آپا جھانکیں۔
"چھجو بھیا کا خط آیا ہے دو لڑکیاں ہوئی ہیں...."
"ایں......"
ڈاکٹرنی۔ "دو جڑواں لڑکیاں ہوئی ہیں......"
اور خلو آپا دوڑی آہیں برآمدے کے پاس رکتی ہیں جیسے انجن جا رہا ہو زور سے سنٹنگ کو اور ایک دم سے لال جھنڈی دکھا دو... بولیں

"لڑکیاں! ..... دو! ..... کب .....؟"

"چودہ تاریخ کی رات کو ..... ماں اور بچیاں دونوں
بخیریت ہیں .....؟"

خلو آپا چپ۔

"اے تم چپ ہوگئیں" ڈاکٹر بولے

(جھاڑ و پھر جائے لڑکیوں کی صورت پہ ..... اڑ جائیں یہ لڑکیاں
..... لڑکیاں! لڑکیاں! جدھر دیکھو آفت جوت رکھی ہے لے وہ خلافدا
کر گئے فضلو کے یہاں دن گئے کیا ہوا؟ ..... لڑکی ..... وہ امیں الدین
کے یہاں اللہ آمین پھر سلامی کر کے دن پورے ہوئے کہ ابلو لڑکی ..... وہ
مستیا کے یہاں لڑکی ..... بوا خیر و جولا ہے کے یہاں لڑکی ..... لڑکیاں
نہ ہوئیں آفت ہوگئیں ..... الٰہی توبہ ..... بچارہ بچو .....")

بھئی واہ۔ لڑکیاں ایسی بری ہوگئیں۔

" ابلو۔ بھلا لڑکیاں کیوں بری ہونے لگیں ..... جھاڑو دیں اپنے
چولہا جھونکیں دن رات تقدیر کو روئیں اور لڑکے خمار رکھے تمہاری طرح

بنے پھریں لفٹنٹ ......

"اے مجھے تو چھجو بیچارے پہ آتا ہے...... ثچ ثچ ....."

"ارے تو کیا ہوا۔"

کچھ ہوا ہی نہیں..... لو..... وہ جو کسی نے کہا ہے ......

بھالہ پہ بھالہ۔ گھاؤ پہ گھاؤ۔ چھجو بنے ...... شاباش ہے تیری جنتی کو شاہ ز یمہ۔ (غالباً ص۔ رحمت) تو نے گھاؤ پہ گھاؤ کھائے پر اُف جو کی ہو۔

"کیسے گھاؤ؟"

گھاؤ! ارے گھاؤ نہیں تو کیا..... لڑکا ہوا...... ایک ہوا چاند سا وہ مر گیا۔ دوسرا ہوا...... یہ شبیر کا سا بچہ اللہ وہ بھی مر گیا تیسری وہ آئیں لڑکی بنو جو خود بھی مریں اور ماں کو بھی مارا اور شاباش ہے چھجو کو مٹر و اسی دلہن کیسی پہاڑ سی لاش گئی ہے .... لو صاحب گھر کا صفایا ہی ہو گیا....."

"پھر انھوں نے برسوں شادی کیوں نہیں کی۔"

"اور تم نے کی تو کون سے حذق مارے ...... اولاد تقدیر میں ہوتی ہے تو شادی بھی ہوتی ہے ... (اب یہ آئیں ... نئی دلہن..... مرنے والی کی جوتی برابر نہیں اور دماغ لے لو آسمان پر... نگوڑی اتری کہیں کی.... خیر صاحب ہم سمجھتے تھے کہ چلو جیسی بھی بری بھلی ہیں ٹھیا ہیں کہ آج سن لو ایک چھوڑ دو ...... ارے واہ رے مالک ہیں تو تیری خدائی کی قائل ہوں .... اور پھر بھیا میں کون یہ کھڑی ہیں ناخوش ہوں۔ اللہ نے ایک دم سے دو بھتیجیوں کی پھوپھی بنا دیا ....) میں اپنے دیکھوں ہنڈا یا چوٹھا..... خاک پڑ جائے آلو لایا ہے کہ پتھر..... گلتے ہی نہیں....."

اتنا کہا کہ سامنے باورچی خانے سے رحیماً بوا زور سے چیخیں۔ جمن تڑپ کے بھاگا اور بوا رحیماً اس کے پیچھے۔ اور دیا انھوں نے چمٹا گھما کے اور وہ ایک جالی میں الجھ کر گرا اور بھاگا اور رحیماً بوا چیخیں۔

"ٹھہر تو جا مر دے..... تجھے قربان کروں۔ ہیضہ سمیٹا سے...

دیکھتی ہو بیگم صاحبہ اُجڑے نے چمٹا گرم کرکے میرے پیر میں لگا دیا.... اُسے تو کوئی کہنے ہی والا نہیں ہے .... (ہوا بنا پھرتا ہے لفٹنٹ) ....

دیکھو یہ کیا واہیات ہے" ڈاکٹر نے کہا" منع کر دو ان کو لفٹنٹ کیوں کہتی ہیں؟"

ہم سے کام نہیں ہوتا ..... دیکھتی ہو بیوی ..... پہلے تو لکڑیاں گھسیٹ گھسیٹ کے چولھا ٹھنڈا کئے دیتا تھا پھر میرا پیر جلا دیا۔

"بلاؤ جمن کو"

وہ خود ہی آیا دروازے کے پاس اور رک گیا اور رحیماً بُوا پھٹیں۔

"پھر تو جا موئے ...ی کاٹے ......"

خلو آپا نے آواز دی جمن ......"

وہ تو لفٹنٹ بنے پھرتے ہیں.... کہتے پھرو شرارتیں بچہ....."

"پھر وہی" ڈاکٹر نے بگڑ کر کہا۔ منع کر دو ان کو۔"

خلو آپا نے رحیماً بُو اسے کہا۔ اے بُوا۔ اسے لفٹنٹ مت کہا کرو۔"

"لفٹنٹ نہ کہوں؟....."

"ہاں....."

اور وہ میرا پیر جلا دے..... لفٹنٹ تو ہے ہی وہ....."

خلّو آیا۔ اے بُوا ہمارے بھائی اب لفٹنٹ ہوگئے ہیں.....

"کون؟....."

"ڈاکٹر صاحب خود برامدے سے اُتر کر نرمی سے بولے۔

اے بُوا بات یہ ہے کہ میں لفٹنٹ ہوگیا ہوں....."

"تم"...

"ہاں..... سرکار سے عہدہ ملا ہے..... اب اسے چھوکرے کو تو مت کہو....."

(منہ پھاڑکر) ہیں!..... اسے کچھ نہ کہو..... اور یہ مُردی کا جایا میرا کلیجہ سے پیر داغ دے۔"

لفٹنٹ مت کہو اسے..... اے تم سمجھیں نہیں بُوا....."

"میں سب سمجھ گئی...... لفٹنٹ نہیں تو اس موے کو چھتیبا اور پیارا کہوں گی......"

(بات کاٹ کر) "فضول بکتی ہو سنو تو......"

"اے کیا سنوں؟"

میں جو لفٹنٹ ہو گیا ہوں اور تم اس چھوکرے کو لفٹنٹ کہو...... یہ مناسب نہیں ہے" اور یہ مناسب ہے کہ وہ بالشتیا میرا پیر داغ دے...... اور میں کچھ نہ کہوں......"

"ارے یہ میرا مطلب کب ہے میرا مطلب تو یہ ہے کہ میں جو لفٹنٹ ہو گیا ہوں۔ سرکار کی طرف سے میں لفٹنٹ ہو گیا ہوں۔"

تو مجھ نگوڑی سے کیا کہتے ہو۔ ایک تم کیا (یہاں جسے دیکھو وہی لفٹنٹ بنا پھرتا ہے۔ احمد کو دیکھ لو مجال کیا جو سوکھی لکڑیاں آئیں گیلی لکڑیاں پھونکتے پھونکتے اندھی ہوئی جاتی ہوں نہیں مانتا.... اے لو وہ بہشتی ہے۔ کیسا کیسا چیختی ہوں پر چولہے کے سامنے نالا

کھر جاتا ہے ایک نہیں سنتا..... اور تو اور وہ موئی بھنگن کہ دیکھو تو آج تین دن سے چیخ رہی ہوں شلجم کے چھلکے ہیں کہ پڑے سڑ رہے ہیں۔ پر مجال کیا جو سنے...... تو میاں میرے بھنگن کیا...... بہشتی کیا...... احمد کیا...... اور رحمن کیا میرے لئے سب ہی لفٹنٹ ہیں۔ ...... اب تم ہی آئے مجھی کو ڈانٹنے...... الٹا چور کوتوال کو ڈانٹے..... اسے سنیو لئے کو تو کچھ کہا نہیں کہ میرا پیر داغ گیا۔ اُلٹے مجھی کو آ گئے...... تو میاں تم تو گھر کے مالک ٹھہرے......."

"کیا بکواس لگا رکھی ہے......"

"میاں بکواس نہیں........"..........

"گھر کا تو یہ بار ہا اور وہ مواسنپولیا میرا پیر داغ کے دھو دھو کرتا پھرے۔ تم ڈانٹنے مارنے سے تو رہے آئے وہاں سے کہنے کہ میں لفٹنٹ ہوں......"

"لاحول ولا قوۃ۔ ارے ان کو کوئی سمجھاؤ......"

نہیں نہیں۔ سُن لو آج ..... تو پھر میرا کہنا ہے کہ اُسے مارنے کے بجائے جو تم کہو میں بھی لفٹنٹ تو یہاں پھر یہ لوگ مجھے کاہے کو جینے دیں گے ...... مارنے سے رہے اُلٹی اس کی یوں طرفداری کی جائے ...... نا بابا آج چالیس برس ہونے آئے کہ اسی گھر میں ہوں پر یہ رنگ تو کبھی نہ دیکھا .....

ان کو سمجھاؤ خلو آپا ......"

سمجھاؤ کیا ..... ٹانگ برابر چھوکرے نے میرا جینا سولی کر دیا ہے اور تم کر دو اس کی طرفداری .... اچھا بابا ...... جو جی میں آئے کرو ...... مجھے موت بھی نہیں آتی اجڑی کو (پیچ کر) لے تو گھر میں گھس ..... تو کیا اب تو گھر کا لفٹنٹ ہو گیا ..... خاک پڑے ایسے جینے پہ ....." (بڑبڑاتی باورچی خانے میں چلی گئیں)

ڈاکٹر نے کہا: "یہ تو بڑی واہیات بات ہے خلو آپا ان کو اچھی طرح سمجھاؤ۔ خود سوچو کہ بھنگی بہشتی کو لفٹنٹ کہنا کہاں تک درست ہے۔"

اے ٹھیک تو کہتی ہے بے چاری.... اب سمجھے گی جا کے قبر میں تمہیں تو آج فرصت ہے۔ نگوڑے مریض بھی مر گئے سارے کھانے کو کیسا بے وقت ہوا جاتا ہے..........

"بھیا تم جانو تمھارا کام۔ مجھے تو بخشو......"

یہ کہہ کر خلو آپا بھی چل دیں باورچی خانے کی طرف اور ڈاکٹر صاحب مع بیگم صاحبہ کے رہ گئے۔ دونوں کمرے میں جا کر اطمینان سے بیٹھے۔ ڈاکٹر صاحب نے شکایت کے لہجے میں کہا۔

بڑے افسوس کی بات ہے کہ تم بالکل خوش نہیں ہوئیں"

تم چاہو تو لڑکیوں پر تو میں خوش ہونے سے رہی دو چھوڑ چار ہوں میری بلا سے"

ارے لڑکیوں پر نہیں کیا آدمی ہو" (جھنجلا کر)

پھر......"

میرے لفٹنٹ ہونے پر"

"لفٹنٹ ہونے پر"

"اور کیا۔ یہ کوئی معمولی بات ہے ..... بھلا ہر کوئی لفٹنٹ ہو سکتا ہے۔ تم کو تو بے حد خوش ہونا چاہیئے تھا۔ جب تم ہی خوش نہ ہو گی تو خود سوچو میری خوشی کیا رہ گئی۔"

"میں تو یہ جانتی ہوں کہ جس میں تم خوش اسی میں میں خوش۔"

"پھر کیوں خوش نہیں ہوئیں۔"

"ایلو ہوئی"

"ہوئی ......"

"ہاں پھر اور کیا۔ جو تم کہو وہ کروں ....."

معاف کیجئے میں ایسی فرمائشی خوشی سے باز آیا۔ آپ کچھ بھی نہ کریں۔

"ایلو۔ ایلو۔ تم تو خفا ہو گئے۔"

"میں کیوں خفا ہوتا۔ ہاں رنج مجھے ضرور ہے کہ تم کو خوشی نہیں ہوئی۔"

اے مجھے ڈرا لو تم چڑ جلے ہیں......"

"اتنے میں خلو آپا کمرے میں آتے ہوئے بولیں۔"

"ایلو کھانا کھا لو تم..... ظاہری گرم گرم ..... میں نے کہا ٹھنڈی ہو جائے گی۔"

اور ساتھ ہی پیچھے بوا رحیماً آتی ہیں بڑبڑاتی۔ کھانے کا خوان لیے

"..... خاک پڑ جائے .... دنیا کو موت آرہی ہے پر نہیں تو کیسے .... رحیما کو ......"

رحیماً نے خوان تخت پر رکھا اور ڈاکٹر صاحب نے کہا

"بوا تم خفا نہ ہو..... خلو آپا..... ذرہ جمن کی خوب ہی خبر لینا......"

"دیکھو........ وہ چار چوٹ کی مار دی ہو کہ یاد ہی کریں بچا۔"

"اور ہاں..... بوا..... سنو تو..... میں نے جو تم سے کہا تھا کہ اسے لفٹنٹ نہ کہنا تو اس لئے کہ جب میں لفٹنٹ ہو گیا تو چھو کرے

کو لفٹنٹ کہنا تو خود تمھیں بُرا لگے گا۔

رحیماً بُوا تخت پر بیٹھے بیٹھے پنج کر بولیں "اے میاں خدا انھیں سلامت رکھے۔ یہاں تو یہی جھِر جھِر ہے ...... لگی ہوئی ہے نگوڑی دم کے ساتھ ...... اور اس رحیماً بندی کو چین ہے نہ موت ..... دن ہے تو ...... رات ہے تو ..... جھِر جھِر ...... جھِر جھِر ..... آج تم لفٹنٹ ہوئے کل میں لفٹنٹ ..... کہہ تو چکی میاں ...... گھر کا گھر لفٹنٹ سب ہی لفٹنٹ .... اللہ کی شان یہ ٹانگ برابر چھوکرا میرے سر پہ چڑھ کے موتنے اور جو زبان کھولوں تو لفٹنی .... لفٹنی بیچ میں ! اور دیکھو مزے سے اُسے کہ اپنے ڈنڈا ایسا پڑا ہے کہ گھوم رہا ہے ..... اور کرتا پھر رہا ہے ...... دھو! دھو! دھو! دھو! ...... اور یہاں وہ مثل کہ میری داؤں کو سب لفٹنٹ ...."

اور یہ کہتی بوا رحیماً "اباؤٹ ٹرن" ہوا ہوگئیں۔ ڈاکٹر صاحب نے کہا:"

"اے خلّو آپا تم نے بھی نہ سمجھایا..... ؟"

"میرے دماغ میں خود بھُس بھرا ہے" خلّو آپا نے کہا

"تم کھاؤ طاہری ٹھنڈی ہوتی ہے ؟"

اور "پاہمیں عورتاں بیا بار ساخت" کہتے ہوئے ڈاکٹر صاحب کھانا کھانے بیٹھے۔ خلّو آپا بھی بیٹھ گئیں۔ مزے دار کھانا۔ تھوڑی دیر کو لفٹنی بھول گئے۔ خلّو آپا بولیں "

"بھیّا طاہری کیسی ہے ؟"

"خوب ہی تو ہے گرما گرم ....."

گرما گرم کہا تھا کہ طوفان آگیا۔ آئیں اُدھر سے چیختی رحیمَا بوا۔ اور دوسری طرف باہر سے کھڑکی سے احمد کی آواز آئی۔

" اندھیر ہے کہ نہیں .... میری کوئی سنوائی نہیں" اور کمرے میں رحیمَا بوا نے داخل ہوتے کہا

"......میں سر پیٹ کے نکل جاؤں گی گھر سے ...."

"خیر تو ہے؟" فلو بی نے کہا۔

"کیا ہوا؟" ڈاکٹر صاحب بولے۔

اتنے میں کھڑکی کی طرف سے احمد بولا۔

"ہزار صلواتیں سنائی ہیں اور کہتی ہیں کہ اب جو آپ کو لفٹنٹ کہا تو منہ توڑ دوں۔ منہ توڑ دوں گی......"

ناق بے ناق منہ توڑ دیں گی..."

رجیما بوا بیچ میں بولیں

"لو اور سنو...... سوب تو سوب علینی بھی بولے جس میں بہتر چھید...... مواغلطا......"

صاحب منع کر لو ان کو...."

"کیا واہیات ہے....."

"مجھے یہ دھینگڑے کا دھینگڑا ابھی لگا چھیڑنے......"

"ارے کیوں چھیڑتے ہو...... احمد....."

سرکار میں نے تو کچھ نہیں چھیڑا ہم تو بس اتنے کے گنہگار ہیں کہ ان سے یہ پوچھا کہ رحیماً بوا لفٹنٹ صاحب کیا کر رہے ہیں تو صاحب اُنھوں نے کہا کہ تیری میّت کو پیٹ رہے ہیں۔ اور اب کہتی ہیں کہ جو لفٹنٹ کہا تو جوتی سے مُنہ توڑ دوں گی۔"

توڑ نہیں دوں گی..... تو اور کیا گھی شکر سے بھروئی سُن لو بیاں کان کھول کر میں تمھاری سُن لوں گی..... پر اس غلطے کو ماروں گی جُوتی....."

رحیماً بُوا یہ تم کو کیا ہو گیا..... ایک تو خود نہیں سمجھتیں اور دوسروں سے لڑتی ہو..... بھئی ان کو سمجھاؤ....."

مجھی کو سمجھا ڈالنا..... ارے پیارو ں بیٹی.....تجھے موت بھی تو نہیں آتی ..... رحیماً اُجڑی....."

اور بوا اپنا ئی چلی گئیں کہتی۔

خاک پڑے ایسے جینے پہ ....."

ڈاکٹر صاحب نے احمد سے کہا
"تم بکنے دو اسے خمیارہ کو۔"
احمد چلا گیا اور اب خلو بی نے کہا
بھیا ایک بات کہوں
"وہ کیا۔ کہو۔"
آئے ہوش جارہے ہیں اس تمہاری لفلنٹی سے تو.....
الٰہی لفلنٹی نہ ہوئی موئی وہ ہوگئی....."
"کیوں؟"
"اے وہی مثل ہوئی تمہاری کہ کوئی تھے۔ فتو۔ فتو۔
ایک دن بیوی کی چھاتی پر دین ہوئے کہ کہو ہمیں فتح
ڈریم خاں۔"
ڈاکٹر نے قہقہہ لگایا اور ہنس ہنس کر پوچھا
پھر۔ کیا کہا بیوی نے؟"
اے بیوی بیچاری کیا کہتی......بول بنا اکس کا کہ تیرا.....

ER
51674 DUD 3/1/08

بیوی کا کیا ہے۔ بر در دزہ پہ کسی نے فوراً ہی آواز دی
کہ "فتو" تو میاں یہ بتاؤ کہ اور لوگ تم کو کیا کہیں گے۔

"اور لوگ بھی لفٹنٹ کہیں گے......"

"اچھا مان لیا میں نے..... پر کچھ تنخا و نخا"

تنخواہ تو کچھ بھی نہیں۔"

"اے دوئی" جیسے چونک کر بولیں، اے کچھ بھی نہیں
اور اس پر یہ ہلڑا"

دیکھتی بھی ہو عزت کتنی ہے......... عہدہ کتنا
بڑا ہے......"

خالی خولی عزت کو لے کے کوئی چاٹے، پیسہ کوڑی
مت دے پر نام دار وغہ دھر دے..... وہ تمہاری مثل ہوئی"

آیا تم جانتی نہیں ہو بڑا بھاری عہدہ ہوتا ہے۔"

"اے خالی نخولی!"

"وہی کیا کم ہے۔"

"ہو گا بھیا"
مجھے تو یہ افسوس ہے کہ آپ کو خوش ہونا چاہیے تھا۔ شکایت تو اس کی ہے"
خوب تمہاری شکایت ہے..... واہ بھیا واہ..... پوچھو کوئی تنخواہ..... کہ نہیں..... پوچھو کوئی جاگیر..... کہ نہیں..... تو بھیا ہم تو عورتیں ہیں کوئی تنخواہ لاتے..... کہ جاگیر ملتی..... کہ گھر میں کوئی دھڑ دھڑ آتی اور پھر ہمیں خوشی نہ ہوتی تو بات..... اور یوں کرنے کو شکایت تو کر لو....."
"ایلو خوب یاد آیا..... لو آج آتی ہے دھڑ دھڑ بھی! دو سو روپیہ!"
"بہت آئے" ڈاکٹرنی بولیں۔
ڈاکٹر۔ نقد لو..... مگر شرط یہ ہے تمھیں بھی ہمیں لفٹنٹ کہنا پڑے گا"
ڈاکٹرنی۔ آں..... ہاں میں تو ضرور ہی کہوں گی..... ذرہ ہنس کر بولیں۔
خسلو۔ ہم کہیں گے..... ہم کہیں گے لفٹنٹ ایک چھوڑ دو دفعہ

مگر ہماری یہی شرط ہے۔ یہ دو سو روپیہ آئیں گے تو پھر حساب مت پوچھنا......"

ڈاکٹر۔ منظور...... قطعی منظور"۔

تو بس ہمیں بھی منظور۔ تم ایک دفعہ نہیں سو دفعہ لفٹنٹ"۔

لے کہاں سے آئیں گے" ڈاکٹرنی بولیں۔

آج شام کو راگھوجی کی اونگلی کا اپریشن انھیں کے گھر پر ہوگا......"

لے موئی اتنی سی انگلیا کے کوئی دو سو روپیہ دیدے گا"

خلّو آپا بولیں۔

رئیس آدمی ہیں۔ ایک دو سو کیا نہ معلوم کتنا روپیہ خرچ ہوگا صدر ہسپتال سے تمام بڑے اپریشن کا سامان اور کیا ونڈر اور بیہوشی کا سامان اور نرسیں آئیں گی۔ تم جانوروں کے ٹھاٹ ہیں جو

"بے ہوش کروگے" ڈاکٹرنی نے کہا

نہیں جی (کوکین لگا کر سُن کر دوں گا۔ بات کا بتنگڑ نہ بنائیں تو یہ

رئیس لوگ ہمارا علاج کاہے کو کریں) اپنے کمپاؤنڈر کو فیس علحدہ ملے گی۔

"تو پھر تم کب جاؤ گے؟"

"میں عین موقعہ پر جاؤں گا وہاں جب سب سامان تیار ہو جائیگا تو آدمی مجھے لینے آئے گا پہلے سے پہنچنے میں ڈاکٹر کی شان جاتی ہے۔"

"روپے آج ہی مل بھی جائیں گے۔"

کہہ تو دیا نقد...... نقد.........

لو بھیا لفٹنٹی مبارک ہو..... مبارک اسے کہتے ہیں.......

کھا چکے کھانا...... لاؤ کھانا بڑھاؤں۔ اُسے بُڑھیا کو تو تپ چڑھا ہے جیسے۔

"بڑھاؤ۔"

کھانے کے بعد ڈاکٹر صاحب پڑ رہے۔ بیگم اپنی طرف چلی گئیں مگر ڈاکٹر کو چین کہاں۔ ایک مریض کے یہاں گئے جو باوجود کوشش کے غریب مر گیا۔ پرانا ملنے والا تھا۔ آکر پڑ رہے اور اسی انتظار میں شام ہو گئی کہ راگھو جی کے یہاں سے آپریشن کے لئے کوئی بلانے

اب نکسد نہ آیا۔ اسی سوچ میں تھے کہ اٹھ کر صحن میں آئے بیوی پلنگ پر بیٹھی تھیں اور خلو آپا باورچی خانے میں تھیں آتے ہی بیوی کو مریض کی موت کی اطلاع دی

رحمت خاں مر گئے بے چارے۔۔۔۔"

"اے ہے!۔۔۔۔۔کب؟"

"وہیں تو گیا تھا دوپہر کو۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔تین انجکشن دیئے مگر بیکار۔۔۔۔۔۔"

تو یوں کیوں نہیں کہتے کہ مار آئے۔۔۔۔ اُسے بھی۔۔۔۔"

"دیوانی ہوئی ہو"

"اے خلو آپا۔۔۔۔خلو آپا اے خلو آپا۔۔۔۔۔۔ اے وہ چل بسے بے چارے۔۔۔۔۔رحمت خاں۔۔۔۔۔"

اے ہے۔۔۔۔۔دور سے چیخیں۔ دوڑتی آئیں۔۔۔۔سچ سچ

۔۔۔۔۔کب۔۔۔۔۔کیا ہوا تھا۔۔۔۔۔"

ہاتھ اٹھا کے ڈاکٹر صاحب کی طرف نبایا" کھڑے ہیں نا پوچھ

لو.......کہو لاکھ دفعہ کہا کہ تم رہنے دو........اس بچارے کو رہنے دو........سوئی مت گھونپنا......گرم دوائیں مت دینا ......پر وہ تو نہیں......کیوں؟......میں نے جو کہا تھا......میری ضد......"

"باؤلی ہو تم تو......"

اے مجھے بھی تو بتاؤ......کیا ہوا ایکا ایکی کیا ہو گیا نگوڑے کو...."

ہونا کیا...... دل میں درد اُٹھا تھا جب تک پہنچوں خاتمہ...."

"اور کوئی دوا نہ دی"

"دی کیوں نہیں"

"کیا دیا ہوگا"

انجکشن دیا......

اے ہے پھونک کر خلو اچھل سی پڑیں اور ڈاکٹرنی کے منہ سے نکلا۔

"سوئی گھونپ دی......."

خلّو بولیں ...... "دل میں"

"دل میں کیوں پھونکتا ..... خدا کی پناہ تم لوگوں سے"

اے دل ہی میں تو درد اٹھا تھا ..... پھر کہیں اور دے دی ....

"ہاتھ میں دی ......"

ڈاکٹرنی بولیں۔ اے ایلو .... کہو آپا کیسی رہی ......

بے موت مرا نگوڑا انجو کے لڑکے کی سی ہوئی ...... نجو کے لڑکے کی سی ......"

ڈاکٹر۔ ہوں ہوں ...... نجو کے لڑکے کی سی ......"

(اے بھول گئے، اتنی جلدی پیٹھ میں نگوڑے کے درد اٹھا اور تم نے دو سوئیاں ران میں گھونپ دیں۔ پیٹھ درد جیوں کا تیوں اور ران کا درد گھاٹے میں)

"اور میں ہاں ہاں کرتی رہ گئی، خلّو آپا بولیں۔"

"تم کیا جانو جانو لاحول ولا قوۃ۔"

ہم کیا جانیں (اے بھیا دل میں نگوڑے کے درد اٹھا اور ہاتھ میں

سوئی دے دی وہ مضمون ہوا ماروں گھٹنا پھوٹے آنکھ)...
اے پھر کسی راہ چلتے کو پکڑ کر گود دیا ہوتا۔ اے واہ رے علاج
......"

ڈاکٹر۔ تم جانتی نہیں ہو۔ ہاتھ میں انجکشن کیا کہیں دوا وہ خون میں
مل کر فوراً پہونچ جاتا ہے"

"اے بہت پہنچا"

"رگوں میں ہو کر پہونچ جاتا ہے"

اے بھیا ہم بیچارے کیا جانیں یہ رگیں ہمارے بھی ہیں سارے
بدن میں پھیلی ہیں تم نے سوئی سے دوا دی نہ معلوم کدھر پہونچی۔
کیا خبر پاؤں میں پہونچی......"

ڈاکٹرنی۔ اور دل نگوڑا دکھتا ہے دوائی سے رہ گیا مرگیا دکھیا ترپ کے

درد دل میں اور دوا پہنچی پاؤں میں۔

ڈاکٹر۔ پاؤں سے پھر وہی دل کی طرف آجاتی ہے۔

خلو (اور شنو یہ تو وہی ہوا کلو بھیا میر ٹھ گئے ہاپڑ سے الٹے لوٹ پڑے

خون بھی مواد یوا نہ ہے۔ اسے پیر کا خون پلٹ کے کلیجہ
میں آگیا۔ ۔ ۔ ۔"

ڈاکٹرنی۔ اے ہو گا مطلب یہ کہ بن موت گیا دکھیا

خلو۔ بن موت، بن موت گیا۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ صاحب میرے
بن موت!

ڈاکٹرنی۔ کہو اس موقعہ پر لخلخہ سنگھا کے ایک دو گھونٹ
عرق بید مشک کے دیتے۔ ۔ ۔ ۔ ۔"

خلو۔ اے ہے نگوڑا جی جاتا۔

ڈاکٹرنی۔ یہ تیسرا مریض ہے۔ ۔ ۔ ۔ ۔ تیسرا ہے آیا جو اسی طرح گیا
کیسا کیسا کہا کہ لخلخہ اور بید مشک رکھو۔ اللہ بخشے حکیم
چچا رکھتے ہی جو تھے۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔"

ڈاکٹر۔ واہ رے حکیم چچا تمہارے

ڈاکٹرنی۔ اے وہ لخلخہ میں نے حکیم چچا کی بیاض سے بنوا کر رکھا یا اور
بید مشک کی شیشی بھی نو نکال کر بھجوا دی ہینڈ بیگ سے۔ ۔ ۔ ۔

..... کھوپڑی رہتی ....

خلّو۔ تو آج کام آتی

ڈاکٹرنی۔ اور پھر کیسے کیسے کہا کہ اس ڈکھیا کو تو رہنے دو اس سے
چار پیسے کی مستقل آمدنی ہے

ڈاکٹر۔ کیا رہنے دو؟"

ڈاکٹرنی۔ اے صاحب گرم دوائیں دیں یا پرہیزی کرائی۔

ڈاکٹر۔ تم کیا جانو دوائیں .... کچھ بار پرہیزی
نہیں کرائی ....."

ڈاکٹرنی۔ انڈا کھلایا کھوہاں

ڈاکٹر۔ بیشک

خلّو۔ انڈا آگ

ڈاکٹر۔ کیا جہالت ہے۔

ڈاکٹرنی۔ چوزے کی یخنی دی کھوہاں

خلّو۔ یخنی آگ۔

ڈاکٹرنی۔ اے بہن شرابیں دیں دواؤں میں نگوڑے کو
شراب

خلو۔ شراب آگ

ڈاکٹرنی۔ اے بہن جینڑ دیے اُسے .... اے گرم گرم جینڑ ہیں
....

خلو۔ جینڑ آگ ..... آگ زہر وہ تو گلسوئے پر لگتے ہیں۔

ڈاکٹر۔ کیا بکتی ہو وہ تو دوسرا ٹنچر ہوتا ہے

خلو۔ واہ ٹنچر ٹنچر سب ایک گرم۔ آگ۔ زہر۔ ہم نے تو
کھلتے نہیں سُنا۔

ڈاکٹرنی۔ غرض کیا کہوں نگوڑے کو ٹھلس کے رکھ دیا۔ وہ تو کہو اُس
طرف گرمیوں میں میں نے بچا لیا تھا ترکیبوں سے

ڈاکٹر۔ آپ نے؟ ..... آپ نے بچا لیا تھا۔ کیا کہنے ہیں
ضرور۔ اور اتنی خبر نہیں کہ اسی ٹنچر سے وہ ٹھیک ہوا برابر
ٹنچر ہی دیا گیا۔

ڈاکٹرنی۔ اور خلو آیا تم تو میرٹھ تھیں وہ چھوکرا آتا دوا لینے تو دوا لے کے سیدھا اندر ہی آتا تو بہن میری اس میں ست گلو.....

لے بہن میری اس میں بنس لوچن...... اے بہن دریائی نارجیل...... ملا دیتی تب چھاتی کی گرمی دور کی۔

ڈاکٹر۔ ہائیں یہ کیا؟ یہ غضب کیا تم نے یہ کیا غضب

ڈاکٹرنی۔ لو اور سنو غضب وہ تھا کہ یہ کہ سوئیاں گھونپ گھانپ خاتمہ........... اور پھر لاکھ دفعہ کہا کہ ایسے مریض کو تو رہنے دو۔

ڈاکٹر۔ یہ کیا غضب ڈھایا تھا

ڈاکٹرنی۔ تم تھوڑی دیکھتے ہو کچھ۔ اے بہن یہ نہیں دیکھتے کہ تیوہار یہ تو اور آئے گئے یہ تو....... یہ تو جب دیکھو بہن تحفے... تحائف اور سال میں خدا جھوٹ نہ بلائے ڈیڑھ دوسو روپیہ فیس کے اسی رحمت خاں سے آتے، تو ایسے مریض کو اگر سوئیاں نہ گھونپتے اچھا تھا۔

ڈاکٹر۔ اس قسم کی حرکت میرے ساتھ کی گئی ہے کہ حیرت ہوتی ہے اور مجھے ہرگز پسند نہیں

ڈاکٹرنی۔ اور مجھے پسند

ڈاکٹر۔ کیا؟

ڈاکٹرنی۔ رحمت خاں........ وہ سیٹھ بیچارا..... جینے کے جینے گاؤں سے گھی بھجیا وہ نام بھولی.

ڈاکٹرنی۔ اے وہ چرونجی لال۔ اے وہ مرگیا؟

ڈاکٹرنی۔ اے کب کا۔ گھونپ دی اس کے بھی سوئی......

..... ہاں تو چرونجی لال اور وہ ٹھیکہ دار..... یہ تینوں کے تینوں مریض ایسے تھے کہ ان سے لگی بندھی آمدنی سمجھو۔ فصل بدلے یہ بخار کھانسی آیا۔ چلو سو پچاس روپے دوا فیس میں آئے اور آئے دن بیماری کا سلسلہ چلا جاتا تھا کہ ایلو ختم۔ اور مجھے یہ کیسے پسند ہو۔

خلّو۔ ایسے مریض کا تو ٹھنڈی دواؤں سے علاج کرتے ہیں......"

ڈاکٹر۔ مجھے یہ بتاؤ کہ دوا لینے کی جرأت کیسے ہوئی۔

ڈاکٹرنی۔ جان بچانے کی خاطر اور کیوں اب گھر کا خرچ تو یہ اور آر۔ بی والے مریض غائب۔

ڈاکٹر۔ میں کچھ نہیں جانتا آر۔ بی واملی

اتنے میں باہر سے آواز آئی کہ کمپاونڈر صاحب آ گئے۔

گویا چونک سے پڑے "آپریشن" منہ سے نکلا

خلّو۔ اے جلدی جاؤ اے آپریشن.......

ڈاکٹر تیزی سے باہر پہنچے وہاں کمپاونڈر صاحب موجود اور عجیب معاملہ کمپاونڈر صاحب نے کہا ؎

کمپاونڈر۔ آپ کہاں تھے

ڈاکٹر۔ کیوں نہیں تھا انتظار ہی کر رہا تھا تم کیسے آئے موٹر کہاں ہے چلو نا۔

کمپاؤنڈر۔ چلیں کہاں آپریشن ہو بھی چکا۔
ڈاکٹر۔ ہیں! کیا کہتے ہو! ہو چکا۔
کمپاؤنڈر۔ اور کیا وہاں سب سامان تیار اور دو دفعہ آپ کو
موٹر لینے بھیجا اور احمد نے کہہ دیا کہ نہیں ہیں پھر
ڈاکٹر بنرجی تو موجود ہی تھے۔ مجبوراً اُن سے
آپریشن کرایا۔
ڈاکٹر۔ ہیں یہ کیا غضب..... احمد..... احمد.....
احمد دوڑتے آتے ہیں۔
احمد۔ جی سرکار
ڈاکٹر۔ موٹر آیا تھا
احمد۔ آیا تو تھا صاحب دو دفعہ آیا۔ آپ کو پوچھتا تھا۔
ڈاکٹر۔ پھر۔
احمد۔ کہہ دیا میں نے دونوں دفعہ کہ لفٹنٹ صاحب نہیں ہیں۔
ڈاکٹر۔ ارے میں تو اندر تھا تمھارے سامنے گیا تھا۔

احمد۔ تھے تو صاحب۔

ڈاکٹر۔ تو پھر تو نے یہ کیسے کہہ دیا ناشدنی۔

احمد۔ سرکار آپ ہی نے صبح حکم دیا کہ ہمیں کوئی پوچھے تو کہہ دینا کہ لفٹنٹ صاحب نہیں ہیں۔

اور یہ سنکر ڈاکٹر صاحب گرج پڑے تو کیا ونڈر صاحب برس پڑے ذرا خود سوچئے کہ وہ مضمون کہ مرے یہ سودرے کہا تو بیشک تھا مگر یہ تھوڑی کہا تھا کہ لفٹنٹ صاحب گھر پر ہوں تب بھی کہہ دے کہ نہیں ہیں اور احمد نے ہاتھ جوڑ کر کہا۔ غلطی ہوئی، خطا ہوئی، پھر اب اور کرتے بھی کیا صبر کر گردن جھکائے سیدھے گھر میں پہنچے بیوی نے متعجب ہو کر کہا۔

"اے آپریشن"۔۔۔۔۔۔

"اے تم تو چلے آرہے ہو"۔۔۔۔۔ ظلو بولیں

"اے آ گئے نہیں۔۔۔؟۔۔۔"

"لے بو لو نا ...."

"اے یہ چُپ کیوں ہو ......"

"خیر ...."

"اور ڈاکٹر نے مونڈھے پر بیٹھتے ہوئے حقیقت سے آگاہ کیا۔"

"اے ہے باخلو آپا نے چیخ کر کہا اور سر پکڑ کر بیٹھ گئیں۔

ڈاکٹرنی نے کچھ نہ کہا بس ایک طرف کو گردن ڈھلک گئی

رحیما بوا کے مُنہ سے "نکلا ہائے اللہ" اور روٹی توے

پہ ڈال کر چھاتی پکڑ کے بیٹھ گئیں اور منہ پھاڑے دیکھتی

کی دیکھتی رہ گئیں۔ کہ روٹی جل کر کوئلہ ہوئی۔

ڈاکٹر نے ایک جماہی لی کچھ سر جھکا لیا۔ آسمان کی

طرف دیکھا۔ بگلے اور طوطے اور کوے قطار در قطار بسیرا لینے

کس تیزی سے جا رہے تھے۔

بگلوں کی قطار .... جیسے فوج کے سپاہی

.... ایک آن میں سب سے آگے ....

..........اس کی دُم نوچی ہوئی تھی..........لفٹنٹ نہ ہو ....ہو گا.......آج ہی ہوا ہو شاید.........واللہ اعلم.........

ایک دھندلکا سا معلوم ہو رہا تھا۔ سردیوں کی شام کس تیزی سے ختم ہوتی ہے آسمان پر ایک سیاہی سی پھیلتی جا رہی تھی۔ دراصل اس وقت جو آپریشن ہوتے ہیں، ان میں تیز برقی روشنی کی ضرورت ہوتی ہے۔ ایک دم سے جن نے ادہر برآمدہ کی طرف سامنے کھٹ سے بجلی جلادی۔ ڈاکٹر جیسے چڑا۔ پڑوس کے باغ سے پرندوں کے بسیرا لینے کی آوازیں آرہی تھیں۔ لفٹنی کا پہلا دن الحمد للہ کہ بخیر و خوبی ختم ہو گیا تھا۔

عظیم بیگ چغتائی

مطبوعہ نظامی پریس بدایوں
پرنٹر۔ احمد الدین نظامی